ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 04 No. 02. October-December 2411.Page# 3007-3014
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Maqasid al-Shari'ah and the Solution to Modern Financial Issues: A Research Review of Nejatullah Siddiqi's Views

مقاصدِ شریعت اور جدید مالیاتی مسائل کا حل: نجات اللہ صدیقی کی آراء کا تحقیقی جائزہ

Muhammad Qasim Hafeez
Lecturer govt. Degree College of Special education Dera Ghazi khan
PhD Scholar, Department of Islamic Studies Ghazi University Dera Ghazi Khan
muhammadqasim00127@gmail.com
Dr. Ashfaq Ahmed
Assistant Professor, Department of Islamic Studies Ghazi University Dera Ghazi Khan
aahmed@gudgk.edu.pk

Abstract

This literature discusses how the Maqasid al-Shari-ah (the superior purposes of Islamic law) can be applied to modern-day financial problems with specific reference to the works of a respected authority on this subject (Dr. Muhammad Nejatullah Siddique). The research emphasizes that the Islamic law does not simply consist of a set of determinations to be applied in all circumstances but it establishes general rules to ensure human wellbeing (maslahah) and to avoid casualty (mafsadah). These are summarized in the 5 fundamental principles of Shari'ah which are: the protection of religion, life, intellect, lineage, and wealth. Financial systems with interests as the primary currency, speculative financial instruments, monetary policy with a base of debt, and sophisticated financial products are highly problematic in the ethical and socio-economic sense in the modern era. To reform such systems, Siddiqi focuses on using the Maqasid al-Shariah that is a dynamic model of ijtihad to analyze and review it. The reason is that according to him, Islamic finance should not be based on legal compliance, but on the attainment of substantive justice, economic stability and fair wealth distribution. The article overview is a criticism of the traditional and certain modern Islamic monetary techniques by Siddiqi (simply put), especially those that imitate the results of interest through products such as tawarruq. He emphasizes that the business should not use financial instruments that lead to the over-debting without contributing to the actual economy. Rather, Siddiqi proposes participatory forms of finance like musharakah and mudarabah, no-interest lending (qard hasan), and transactions based on assets that encourage the division of risks and actual productivity. The paper concludes that the approach of maqasid by Siddiqi offers a holistic and ethically-based alternative to the contemporary financial systems. Maqasid al-Shari'ah can be applied to the modern economic crisis as a practical remedy to the current situation and an indicator of the further evolution of the true Islamic finance..

Keywords: *Maqasid al-Shari'ah, Islamic Finance, Nejatullah Siddiqi, Interest-Free Banking, Modern Financial Issues*

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا، اس کی بھلائی کے لیے انبیاء اور کتب نازل فرمائیں تا کہ انسان اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ یہ جتنے بھی احکامات نازل فرمائے گئے ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی ایسا مقصد اور حکمت ہے جو کہ انسان کی بھلائی کے لیے ضروری ہے انہی مصالح کو ہم عام زبان میں مقاصد شریعت کہتے ہیں۔ عمومی طور

پر ان مقاصد کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جس میں حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ نسل اور حفظ مال شامل ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ مقاصد شریعت انہی پانچ تک محدود ہے بلکہ اس سے عمومی طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے جتنے بھی مقاصد ہیں وہ کسی نہ کسی طرح انہی پانچ میں آتے ہیں چاہے ان کا تعلق جدید مسائل اور احکام سے ہی کیوں نہ ہو پھر بھی انہوں نے کسی نہ کسی طرح انہی پانچ کے اندر رہنا ہے۔

عصر حاضر میں مالیاتی مسائل جیسے سود پر مبنی بینکاری، انشورنس، کرنسی کے معاملات اور لیزنگ جیسے جدید مالی آلات نے اسلامی معاشیات کو چیلنج کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی جو بھارتی نژاد مشہور ماہر معاشیات اور مقاصد شریعت کے محقق تھے، نے ان مسائل کے حل کے لیے مقاصدِ شریعت کو ایک منہج اجتہاد کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور شاہ عبد العزیز یونیورسٹی میں پروفیسر رہے اور درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں "مقاصد شریعت"، "غیر سودی بینکاری" اور "انشورنس اسلامی معیشت میں" شامل ہیں۔ اس آرٹیکل میں صدیقی کی آراء کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا کہ وہ کس طرح مقاصدِ شریعت کی روشنی میں جدید مالیاتی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔

مقاصدِ شریعت کا تصور اور تاریخی پس منظر

مقاصدِ شریعت سے مراد وہ بنیادی اہداف ہیں جو شریعت کے احکامات سے مستنبط ہوتے ہیں، جیسے انسانی مصالح کا تحفظ اور مفاسد کا دفع۔ یہ تصور حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے منسوب ہے، لیکن اسے منظم طور پر امام غزالی نے "المستصفی" میں اور امام شاطبی نے "الموافقات" میں بیان کیا۔ جدید دور میں محمد الطاہر ابن عاشور کی "مقاصد الشریعہ" نے اسے مزید واضح کیا۔ صدیقی اپنی کتاب "مقاصد شریعت" میں اسے عصری مطالعہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، جہاں وہ کہتے ہیں کہ فقہ کا وجود ہی مقاصدِ شریعت سے وابستہ ہے، ورنہ جدید مسائل کا حل ممکن نہیں۔

شریعت اسلامیہ میں ہر احکام اور مسئلہ کا ہو بہو حل پیش نہیں کیا گیا بلکہ وہ اصول اور قواعد بیان کیے گئے جن سے قیامت تک کے مسائل کا حل مل سکتا ہے۔ ان اصول و قواعد کو بیان کرنے کے بعد وقت اور تقاضے کے لحاظ سے ان کا حل مجتھدین امت اور فقہاء وقت پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ فقہاء اور مجتہدین وقت، لحاظ اور تقاضوں کے مطابق صحیح فیصلہ کر سکیں، چاہے ان مسائل کا تعلق زندگی کے کسی بھی مسئلہ سے کیوں نہ ہو۔ اگر ہم مالیات اور اقتصادیات کی بات کریں تو وقت کے ساتھ ساتھ جدید اقتصادی معاملات سامنے آتے رہے جیسا کہ جدید دور میں جدید بینکنگ کا سسٹم وغیرہ، تو شریعت اسلامی میں مالیات اور اقتصادیات کی بنیاد بیان کر دی گئی ہے اب جتنے بھی جدید مالی مسائل سامنے آئیں گے ہم ان کا حل مقاصد شریعہ کی روشنی میں اسلامی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے کریں گے۔ زیر بحث مقالہ میں جدید مالیات مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

نجات اللہ صدیقی نے اپنی کتاب مقاصد شریعت کے چھٹے باب میں مالیات پر تفصیلی بحث کی جس میں مالیات کا بنیادی تصور اور جدید رجانات پر سیر صاصل بحث کی گئی۔ آپ نے مالیات کا تعارف کچھ اس طرح پیش کیا کہ زندگی گزارنے کے لیے پیداوار دولت، زرعی اجناس، صنعت و حرفت کے نتیجے میں ملنے والی چیزیں اور تعلیم وغیرہ ضروری ہے۔ کوئی شخص بھی اپنی ضروریات زندگی اکیلے پوری نہیں کر سکتا اس لیے اشیاء کا تبادلہ ناگزیر ہے جس سے وقت کی بچت ہوتی ہے اسی لیے زر کا استعمال شروع ہوا۔ اسی طرح فنانس میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کسی بھی کاروبار میں خطر اور نقصان کا خدشہ ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ خطرہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اس کو برداشت نہیں کر سکتا اسی لیے بہت سے لوگوں یا کمپنیوں کو مل کر یہ کام کرنا پڑتا ہے تاکہ خطرے کو ممکنہ حد تک کم کیا جا سکے[1]۔

اسلامی تاریخ میں مالیات کا نظام

ساتویں تا دسویں صدی تک انسانی معیشت زرعی، صنعتی اور تجارتی تین دائروں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ ان میں وہ لوگ تجارت کرتے تھے جن کے پاس ضرورت سے زائد مال ہوتا تھا اور اس مال سے مزید مال کماتے تھے، ان لوگوں میں رائج تجارت معاملات میں سلم یعنی صنعتی پیداوار کی پیشگی ادائیگی، استصناع یعنی صنعتی پیداوار کی پیشگی ادائیگی، قرض، مشارکت، مضاربت، مساقات اور اجارہ شامل تھے۔ اسلامی تاریخ میں موجود اہم مالیاتی طریقوں کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

ادھار

ادھار فنانس کا اہم ترین جزو ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کاروبار چلانے کے لیے ضروری نہیں کہ ہر وقت انسان کے پاس اپنی دولت موجود رہے، بعض اوقات کاروبار کو بڑھانے، مزید ترقی دینے یا نقصان کی صورت میں اس کو دوبارہ سے کھڑا کرنے کے لیے ادھار کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی مختلف صورتیں آج کے دور میں موجود ہیں۔ جس میں بہترین صورت قرض حسنہ کی ہے تاکہ انسانیت کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں، یہ بھی مقاصد شریعت کا حصہ ہے۔ یہاں قرض سے متعلق اہم بات جو میں واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجبور اور تنگ دست کو قرض دینا ضروری ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ایسا شخص جو کاروباری ہو اس کو قرض دینے سے بہتر ہے کہ اس کے ساتھ

مشارکت یا مضاربت کا معاملہ کیا جائے تا کہ قرض دینے والے کی حوصلہ شکنی نہ ہو اور اسی کے ساتھ ہی جب آپ کسی کو لاکھوں میں قرض دیتے ہیں تو آپ کا پیسہ دن بدن اپنی قدر کھو دیتا ہے، لہذا بہتر ہے کہ قرض کی بجائے مشارکت یا مضاربت کا معاملہ کیا جائے۔

ادھار اور تجارتی کریڈٹ میں فرق یہ ہے کہ تجارتی کریڈٹ بڑے تھوک فروش اور تاجروں میں معروف رہا ہے، جب کہ ادھار فراہمی صارفین اور کاروباری دونوں کو میسر رہی ہے، مطلوبہ چیزوں کی ادھار فراہمی میں کوئی حرج نہیں جب اس میں نقد کی نسبت زیادہ دام لیے جاتے ہیں، یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں راج رہا اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی گئی۔ اسی طریقہ کی سے سودی لین دین سے اجتناب پر مسلمانوں کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ سلم، استصناع، مضاربت وغیرہ کو بھی کریڈٹ سپلائی کرنے کے طریقے قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ کریڈٹ کی اصطلاح صرف سودی یا غیر سودی قرض کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس کا اطلاق ان تمام طریقوں پر ہوتا ہے جن میں طلب گار یا کاروباری کو مطلوبہ اجناس اور وسائل حاصل ہو سکیں، قطع نظر اس کی شرائط کے۔

سلم کے بارے میں لازم کیا گیا کہ خریدی جانے والی جنس کی مقدار اور اس کی سپلائی کا وقت دونوں معلوم ہونے چاہیے یہی بات استصناع میں بھی ہے۔ معاملات میں عدم تعیین اور جہالت سے بچنا ضروری ہے کیونکہ اس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ شرکت میں بھی عدم تعیین اور عدم علم سے بچنا ضروری ہے۔ جب معاملات میں تمام ضروری چیزیں متعین ہو تو ہر فریق دل لگا کر کام کرے اور ظلم اور ناانصافی کا امکان کم ہو جاتا ہے، اسی طرح شرکت اور مضاربت میں ملکیت کا واضح ہونا بھی ضروری ہے۔ مالیات کے اسلامی طریقوں میں ایک اہم بات یہ ہے کہ غرر سے بچا جاسکے، غرر وہ خطر ہے جو معلومات کی کمی یا ماحول پر قابو نہ ہونے کے سبب درپیش ہو۔ مالیات میں چیز کی نوعیت، مقدار، قیمت مال کی فراہمی کا وقت متعین نہ ہو تو کسی فریق کو خسارہ کا احتمال ہو سکتا ہے۔[2]

غیر سودی بنکاری پر نجات اللہ صدیقی کی خدمات

غیر سودی بنکاری پر نجات اللہ صدیقی نے اسی نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں تفصیل سے بنک کا پورا سٹرکچر بیان کیا گیا ہے اور وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح بنک کو سودی نظام سے پاک کیا جاسکتا ہے، اس پر انہوں نے پورے بنک کے سٹرکچر میں تبدیلیوں کی نشاندہی کی ہے، اس کا خلاصہ اور اہم نکات بیان کیے جا رہے ہیں۔

بنک کا قیام شرکت عنان کے اصول پر ہوتا ہے۔ شرکت عنان یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اسی معاہدہ کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کام کریں گے اور نفع ونقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے، ایک فرد اپنے ذاتی سرمایہ سے بھی بنک قائم کر سکتا ہے۔ جب چند افراد سرمایہ فراہم کریں تو اس مشترکہ سرمائے سے مضاربت پر کاروبار کرایا جائے اور دوسری خدمات بالمعاوضہ انجام دی جائیں اور اس طرح نفع کمایا جائے۔ بنک کے قیام کے دوران ہی ہر فریق کے نفع ونقصان کی مقدار متعین کر دی جائے گی اور ہر سال کے اختتام پر نفع ونقصان کے حساب سے ہر فریق کا حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔ اسی طرح معاہدہ فسخ کرنے کے لیے سال کا اختتام یا سہ ماہی کا وقت مقرر کیا جائے تا کہ فریقین کے لیے آسانی ہو۔[3]

بینک کا کاروبار

بینک کے کاروبار کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا وہ خدمات جو بینک فیس، کمیشن یا متعین اجرت کے عوض کرے۔

دوسرا شرکت یا مضاربت کے اصول پر کاروبار میں سرمایہ لگانا۔

تیسرا بلا معاوضہ خدمات

بالمعاوضہ خدمات

ان خدمات سے حاصل ہونے والی آمدنی چونکہ ان خدمات سے انجام دہی پر آنے والی لاگت سے زیادہ ہوتی ہے اسی لیے یہ بھی بینک کے لیے نفع کمانے کا ذریعہ ہے۔ دوسری جانب ان سے معاشرہ اور کاروباری طبقے کی اہم ضروریات پوری ہو گی۔ یہ وہی خدمات ہیں جن کی فیس یا کمیشن موجودہ بنک لیتے ہیں۔ یہ خدمات سود سے پاک ہیں اور ان خدمات میں درج ذیل امور ہیں۔

امانتیں رکھنا اور ان کی حفاظت کا اہتمام کرنا یعنی بینک زیورات، سندیں، دستاویزات اور دوسری قیمتی اشیاء رکھے گا اور ان کی حفاظت کا ذمہ لے گا اور اس کی مناسب اجرت وصول کرے گا۔ اسی طرح رقوم کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی پر بھی مناسب اجرت لی جائے۔ جائداد کی خرید وفروخت پر قانونی مدد فراہم کرنے پر بینک مناسب فیس لے سکتا ہے، اسی طرح کاروباری لوگوں کو کاروبار کی ترویج پر مشورہ دینے پر بھی فیس اور کمیشن لیا جاسکتا ہے۔[4]

بینک کے سرمایہ کے ذریعے شرکت ومضاربت

سرمایہ کے نفع آور استعمال کی ایک شکل یہ ہے کہ بنک کسی کاروباری فریق کے ساتھ اس کے کاروبار میں شریک ہو جائے۔ کاروبار میں بنک اور کاروباری دونوں کا سرمایہ ہو گا۔ اس معاہدے میں نفع اور نقصان کا تعین کا ہو گا، اسی طرح نقصان بھی سرمایہ کی نسبت سے ہو گا۔ شرکت کے اصول پر سرمایہ فراہم کرنے کی صورت میں بنک آزاد ہو گا کہ اپنے کاروباری شریکوں سے نفع کی تقسیم کے لیے جو اصول بھی چاہے طے کر لے، البتہ یہ ضروری ہے کہ نفع میں بنک اور اس کے کاروباری شریک کے حصے فی صد یا نسبت کی صورت میں طے کئے جائیں، کسی فریق کے لیے کوئی متعین رقم نہ طے کی جائے۔ اس شرط کے ساتھ بنک آزاد ہے کہ نفع کی تقسیم کو سرمایوں کی مقداروں کے تابع رکھے یا ان سے آزاد ہو کر کچھ اور نسبتیں طے کر لے۔ مختلف کاروباری اداروں یا فریقوں کے ساتھ شرکت کرتے وقت بنک نفع کی تقسیم کی مختلف نسبتیں بھی طے کر سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کاروباری شخص ایک لاکھ کا سرمایہ خود لگا رہا ہے اور ایک لاکھ بنک سے لیتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ بنک اس کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے اور عملی طور پر کاروبار میں شریک ہو، اس صورت میں نفع کی تقسیم مساوی ہو گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بنک اس کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے اور طے کرے کہ بنک کو فراہم کردہ سرمایہ کا نصف ملے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بنک شرکت عنان کے اصول پر سرمایہ لگائے اور ساتھ یہ طے کرے کہ کاروبار چلانے میں عملا حصہ نہیں لے گا، ایسی صورت میں کاروباری اس وقت راضی ہو گا جب بنک چوتھائی نفع پر راضی ہو۔

بنک کے لیے سرمایہ کی دوسری صورت مضاربت ہے۔ اس اصول کے تحت اگر کاروبار میں نقصان ہو گا تو وہ بنک اور سرمایہ دار کو برداشت کرنا ہو گا اور اگر نفع ہوا تو اس میں سرمایہ دار اور کاروباری دونوں طے شدہ نسبت کے حساب سے حصے دار ہوں گے۔ مضاربت میں بنک کاروبار کے روزمرہ معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا بلکہ مجموعی طور پر کاروبار کی نوعیت، وسعت اور اہم امور کا طے کرنا ضروری ہے۔[5]

شریعت کا بنیادی مقصد لوگوں کے آسانی پیدا کرنا ہے اور مقاصد شریعت کو مد نظر رکھ کر اصول متعین کرنا ہے، چنانچہ شرکت اور مضاربت کا بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی جائے، ایسے لوگ جن کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا یا ایسے لوگ جن کے پاس پیسہ تو ہوتا ہے مگر کسی کاروبار کے لیے مطلوبہ قابلیت نہیں ہوتی تو ایسی میں شریعت میں آسانی پیدا کر دی گئی ہے تاکہ لوگ اپنی ضرورت کے وقت اور حالات کے تقاضے کو مد نظر رکھ کر اپنے کاروبار کا فیصلہ کر سکیں۔

بینک کے قرضے

بینک کاروباری فریقوں کو چھوٹی مدتوں پر قرض دے گا، اس خدمت کا وہ کوئی معاوضہ وصول نہیں کرے گا، البتہ یہ خدمت وہ ایک حد تک ہی انجام دے سکے گا جس کی تعیین اس کے قرض کھاتہ میں جمع شدہ سرمائے کی نسبت سے کی جائے گی۔ قرض لینے والوں کو وقت مقررہ تک قرض لی ہوئی رقم کی واپسی کی ضمانت دینی ہو گی۔ اگرچہ بنک قرضوں پر سود نہیں لے گا مگر اس کو اجازت ہو گی کہ جمع شدہ رقوم کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کریں۔ بنک کے قرضوں کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مرکزی بنک یہ قانون بنائے کہ ہر بنک اپنے قرض کھاتوں میں جمع شدہ رقم کا پچاس فیصد غیر سودی قرض دینے کے لیے رکھے، اسی طرح قرض کا اہم محرک یہ ہے کہ عوام اور کھاتہ داروں کی نگاہ میں اپنی ساکھ اونچی رکھنے اور کاروباری گاہکوں سے تعلقات بہتر رکھنے کی خواہش ہے، جب عوام کو نظر آئے گا کہ بنک غیر سودی قرضے دے کر معاشرے کی خدمت کر رہے ہیں تو بنکوں سے ان کی بددلی ختم ہو گی اور حسن ظن پیدا ہو گا۔ جب بڑے بڑے ادارے بنکوں سے بلا سود قرض لیں گے تو ان کے تعلقات بھی بہتر ہوں گے اور وہ بنکوں سے بالمعاوضہ خدمات بھی لیں گے۔ نیز ادھر ایک اہم نقطہ یہ ہے کہ بلا سود قرض کی فراہمی میں جو بنک کے ملازم کام کریں گے ان کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات کس طرح پورے ہوں گے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر قرض کی فراہمی کے لیے درخواست طلب کی جائے اور ہر درخواست کے ساتھ مقررہ فیس رکھی جائے تاکہ بنک کے اخراجات اسی سے نکلتے جائیں۔[6]

فنانس کی فراہمی کے پیچیدہ طریقوں کا رواج اور ان کی ضابطہ بندی

معیشت کی ترقی اور خوشحالی کے ساتھ اسلامی سماج میں کچھ ایسے طریقے رائج ہوئے جن کا عہد نبوی سے کوئی تعلق نہیں، ان میں اہم سفتجہ، بیع العربون یعنی بیعانہ، صیرفہ اور جہابذہ شامل ہیں۔ اب ان پیچیدہ طریقوں کی تفصیل کو دیکھتے ہیں۔

سفتجہ

سفتجہ ایک جدید طریقہ ہے یہ ایک طرح سے ہنڈی کا نام ہے، مثال کے طور پر زید کا مال لاہور میں ہے جس سے وہ کراچی میں فائدہ لینا چاہتا ہے مگر کسی دوسرے شخص یعنی عمر کے پاس اسی جنس کا مال کراچی میں ہوتا ہے، تو یہ دونوں اشخاص آپس میں مال کا تبادلہ کرتے ہیں، زید اپنا مال عمر کو دیتا ہے جو اسے ایک تحریر دیتا ہے جسے کراچی میں عمر کے آدمی کے سامنے پیش کرنے پر اسے مال مل جائے گا۔ زید کو جو سہولت ملی اس کے بدلے عمر کو اس مدت کے لیے جو مال ملنے تک گزری اس کو اتنا مال نفع اور کاروبار

میں میسر آ گیا۔ یہ ایک جدید طریقہ فنانس ہے جو کہ دنیا میں عام رائج ہے، یہ طریقہ جدید دور کے تقاضوں کو بھی مد نظر رکھتا ہے، گو کہ اس میں کسی حد تک ٹائم لگ جاتا ہے مگر اس طریقہ کو زیادہ تر وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو کہ ٹیکس اور حکومتی ریکارڈ میں اپنا پیسہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔

یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کو لوگ نے اپنے تعلقات کی بنیاد پر استوار کیا ہے، مگر زیادہ تر حکومتیں اس طریقہ فنانس کو ٹھیک نہیں سمجھتی اور ان پر پابندی لگاتے ہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس سے حکومت کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں رہتا کہ کتنا پیسہ کس سے آیا اور کس کے پاس گیا اور اس کو استعمال کرنے کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے لوگ حکومتی ٹیکسوں سے بچ جاتے ہیں۔

بیع العربون

بر صغیر میں اس کو بیعانہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار مطلوبہ مال کی خریداری مکمل کر لینے کی بجائے اس کی طے شدہ قیمت کا ایک چھوٹا سا حصہ صاحب مال کو دیتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک مدت وقت طے پا جاتی ہے۔ اگر خریدار وقت مقرر تک پوری قیمت ادا کر دے تو ٹھیک ورنہ معاملہ منسوخ سمجھا جاتا ہے اور ادا شدہ رقم ضبط کر لی جاتی ہے۔ عربون کا فنانس سے تعلق یوں بنتا ہے کہ جو شخص اثاثے فروخت کر رہا ہوتا ہے وہ ایک بڑی قیمت جمع کر کے اس سے کاروبار یا کسی سکیم میں لگا سکتا ہے جبکہ ابھی تک اثاثے اس کی اپنی ملکیت میں ہوتے ہیں، یوں جب تک وہ پوری قیمت حاصل کرتا ہے تب تک وہ بیعانہ کی رقم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو کہ بر صغیر میں عام ہے، اس میں کسی بھی چیز کی فروخت کے وقت بیعانہ لے لیا جاتا ہے اور بقیہ قیمت اگر بر وقت ادا نہ ہو تو ادا شدہ قیمت ضبط کر لی جاتی ہے۔

صیرفہ

صرف کا اطلاق ایک قسم کے نقد مثلاً درہم کے دوسرے نقد، مثلاً دینار سے مبادلہ پر ہوتا ہے۔ مگر صیرفہ سے مراد بڑے پیمانے پر کئے جانے والے اس کاروبار سے ہے جو مختلف نقدوں کی ایک مقدار رکھ کر مبادلہ نقود چاہنے والوں کو ان کا مطوبہ نقد فراہم کرتا ہے اور اس عمل کے ذریعے نفع کماتا ہے۔ صیرفی کے پاس مختلف قسم کی نقود ہوتی ہیں جو وہ طلب گاروں کو بطور قرض دے سکتا ہے۔ بعض اوقات صیرفی نقد دے کر بعد میں کوئی چیز وصول کرتا ہے یہ ایک طرح سے قرض کی صورت ہے یا بعض اوقات نقد دے کر اس سے دوسرا نقد ایک مدت کے بعد طلب کیا جائے تو اس دوران صیرفی اس رقم کو کاروبار میں لگا دیتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے بنک کاری کی ابتدا میں صیرفہ کا بڑا کردار ہے۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ اسلامی فنانس کے جدید طریقوں میں مقاصد شریعت کا لحاظ رکھا گیا ہے جس طرح عام لین دین میں جن خرابیوں سے روکا گیا ہے جدید فنانس میں بھی وہ چیزیں جائز نہیں جیسا کہ ربا، قمار، غبن، اکراہ، بیع المضطر، احتکار، نجش، تدلیس، غرر، جہل، بیعتین فی بیع، بیع کے ساتھ کوئی شرط لگانا، بیع الکالی بالکالی اور دوسرے ایسے عوامل جو جھگڑے کا باعث بنتے ہیں، یہ سب حرام ہیں۔[7]

اسلامی تمویل کے باب میں نئے رجحانات

اوپر بیان کردہ اسلامی اصلاحات کا تعلق اسلامی تاریخ کی ابتدائی چار صدیوں سے تھا، اب اب یہاں چودھویں صدی کی آخری چند دہائیوں کا تفصیل سے مطالعہ کیا جائے گا۔

اوپر بیان کردہ طریقوں میں سے ایک طریقہ بیع الوفا ہے، اس میں کسی چیز کی فروخت اس شرط پر عمل میں لائی جاتی تھی کہ جب فروخت کنندہ اس چیز کو واپس کرے تو اسے اپنے دیے ہوئے دام واپس مل جائیں، اسے اکثر فقہاء حرام قرار دیتے ہیں۔ دوسرا طریقہ وقف النقود کا تھا جس میں کسی کار خیر کے لیے نقد رقم وقف کرنے والے چاہتے تھے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور اس کی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا منافع کار خیر میں خرچ ہو، اس کے لیے انہوں نے شرط رکھی کہ سرمائے کو ایک معین فی صد نفع پر مضاربت پر دیا جائے۔

دور جدید میں اسلامی فنانس کا احیاء

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مسلم اکثریت کے تقریباً تمام ممالک بیرونی اقتدار کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، مگر ان ممالک میں نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔ آزادی کی جدوجہد کے ساتھ یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ ان ملکوں کی معیشت کن اصولوں پر چلے گی۔ بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں سرمایہ داری اور سوشلزم کا چرچا تھا، چنانچہ ان دو معاشی نظام میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا اور دونوں نظاموں کے دانشوروں اور مفکروں کے پاس اپنے دلائل تھے۔ اسی ماحول میں ہندوستان میں علامہ اقبال نے یہ نعرہ لگایا کہ اسلام خود ایک معاشی نظام ہے جو کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کی بے اعتدالیوں سے پاک اور ان سے کہیں بہتر ہے۔ چنانچہ اسلام معاشی نظام کی الگ خود مختاری کے لیے کئی تحریکیں چلیں جن میں سود سے پاک اسلامی بینکاری کی بھی بات چلی، اس کے لیے ساٹھ کی دہائی میں غیر سودی

مالیاتی اداروں کے قیام کے متعدد تجربے مصر، ملیشیا، ہندوستان اور پاکستان میں کیے گئے پھر ستر کی دہائی میں اسلامی بینکوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، ان کے ساتھ ہی اسلامی انشورنس کمپنیاں، اسلامی انوسٹمنٹ کمپنیاں اور اسلامک میچول فنڈ پوری اسلامی دنیا میں پھیل گئے۔

ابتداء میں اسلامی بینکنگ کا ماڈل مضاربت در مضاربت پر مبنی تھا، یعنی عام لوگ اپنی بچتیں اسلامی بینکوں کو دیں تاکہ وہ اس کو مضاربت پر دے کر نفع آور بنائیں اور اس طرح حاصل ہونے والے نفع کا ایک حصہ خود رکھیں اور باقی کھاتہ دور کو دیں۔ اسلامی بینک اہل کاروبار کو نفع میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کریں رہا نقصان تو اسے سرمایہ میں کمی قرار دے کر کھاتہ دار کے سر ڈالا جائے مگر عملی تطبیق میں اسلامی بینک کھاتہ داروں سے مضاربت پر حاصل کردہ سرمایہ کے نفع آور بنانے کی تمام جائز شکلیں اختیار کرے۔ ان شکلوں میں براہ راست تجارتی کاروبار کرنا، صنعتیں چلانا، زمین، جائداد خرید کر انہیں کرائے پر چلانا وغیرہ شامل ہے، مگر جلد ہی اسلامی بینکوں میں پر خطر کاروبار سے اجتناب کرتے ہوئے ایسا طریقہ اختیار کیا گیا جس میں نفع یقینی ہو اور اس کی شرح پہلے سے معلوم ہو۔ گاہک کی فرمائش پر اسلامی بینک اس کا مطلوبہ سامان خرید تا اور اس کو گاہک کو ادھار دام پر فراہم کر دیتا۔ اس کے بعد ایسا دور آیا جن میں چند مخلص مسلمانوں نے سود سے پاک اسلامک بنکاری کی کوشش کی جن میں مسلمان، ہندوستان اور ایران وغیرہ ہیں، مگر خلیجی ممالک میں جو اسلامی بینک قائم ہوئے وہ نجی دائرے میں قائم ہوئے، یہ بینک مسلمان تاجر اور اہل ثروت نے قائم کیے، اس کا بنیادی مقصد حرام سے بچنا تھا۔

معاصر اسلامی فنانس نے گزشتہ صدی کی ستر کی دہائی کے اواخر سے اس صدی کی پہلی دہائی تک مرابحہ سے تورق تک جو سفر طے کیا ہے، مرابحہ، اجارہ، متوازی سلم اور تورق سب میں ایک بات مشترک ہے ان کے نتیجہ میں مقروضیت کی سندیں وجود میں آتی ہیں، اگرچہ ان کی نوعیت میں فرق ہے، بعض حالات میں سند قرض کی پشت پر حقیقی اموال زمین، جائداد، خام مال، مصنوعات یا زرعی اجناس وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور بعض اوقات میں ایسا نہیں ہوتا۔ نجات اللہ صدیقی کا موقف یہ ہے کہ جن اسناد قرض کی پشت پر حقیقی اموال نہ ہوں ان کا پھیلاؤ اور معیشت میں ان کے حجم میں اضافہ ہوتے جانا مضر ہے، مگر ایسی سندات قرض سے جو فائدے متوقع ہو سکتے ہیں وہ انفرادی اور کم اہم ہیں ان کے مقابلے میں اجتماعی سطح پر ہونے والا نقصان زیادہ اہم تر اور یقینی ہے، لہذا ان مالیاتی آلات اور طریقوں کو خلاف اسلام قرار دیا جانا چاہیے جن کے نتیجے میں ایسی سندات قرض کا پھیلاؤ ہو جن کی پشت پر کوئی حقیقی اموال نہ ہوں۔ معاصر اسلامی مالیات میں اس کی مثال تورق ہے۔[8]

تورق

تورق میں کچھ اسلامی بنک اور مالیاتی ادارے طلب گاروں کو نقد فراہم کرنے لگے ہیں۔ تورق کے طریقے سے کھاتہ داروں کو ایک متعین فی صد نفع دینے کا عہد کیا جا سکتا ہے، نقد کا طلب گار بنک سے ادھار مال خرید تا ہے پھر وہ اس مال کو ایک فریق ثالث کے ہاتھوں اپنی قیمت خرید سے کم دام پر فروخت کر کے نقد رقم حاصل کر لیتا ہے۔ گاہک کو نقد مل جاتا ہے مگر طے شدہ مدت کے بعد اس کو زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح بنک کھاتہ دار سے کوئی چیز ادھار خرید تا ہے اور کم قیمت پر کسی کو نقد فروخت کر دیتا ہے، پھر کھاتہ دار کو زیادہ قیمت دی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلامی بنک ایسے کھاتے کھولتے ہیں جس سے وہ تورق کو فروغ دیتے ہیں۔[9]

انسانی معیشت میں قرضوں کا کردر

قرض کا انسانی معیشت پر بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ قرض کی پیداوار استعمال کے نتیجے میں نئی دولت کا وجود میں آنا، یا قرض لی ہوئی رقم کے پیداوار استعمال سے وجود میں آنے والی دولت کی مقدار اس عمل میں استعمال شدہ دولت سے کم ہو، سماج کی مجموعی دولت میں کمی واقع ہو گی۔

آج کا بینکنگ نظام صرف کاغذی نوٹ اور ڈیجیٹل نمبروں پر چلتا ہے۔ بنک لوگوں کے جمع کیے گئے پیسے کا صرف تھوڑا سا حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں جبکہ باقی سارا حصہ لوگوں پر قرض پر دیتے ہیں اور اس پر سود وصول کرتے ہیں۔ اس میں مجموعی طور پر ایک فریق کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ قرض دینے والے کو اضافی پیسہ دینا پڑتا ہے اور وہ دیوالیہ ہوتا رہتا ہے۔ اس میں امیر اور امیر ہوتا ہے جبکہ غریب مزید غریب ہوتا رہتا ہے۔ یہ سارا نظام ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہے کیونکہ پیسہ پیدا کرنے کا اختیار چند بنکوں اور لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ اسلام میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور معیشت کا کردار خدمت اور منصفانہ تقسیم پر ہونا چاہیے نہ کہ منافع کی ہوس پر۔[10]

قرض پر مبنی معیشت میں نظام زر

قرض پر مبنی معیشت میں نئے زر کی تخلیق اور حسب ضرورت زر کی مجموعی مقدار میں کمی بیشی کرنے کا کام قرضوں میں اضافہ یا کمی کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ ملک کے مرکزی بنک کا جاری کردہ طاقتور زر ہو یا تجارتی بینکوں کے ذریعے تخلیق پانے زر دونوں کی اساس قرض ہے، مثال کے طور پر جب حکومت کے وعدہ ادائیگی کے عوض کسی ملک کا مرکزی بنک نیا زر تخلیق کرتا ہے تو طاقتور زر کی تخلیق بڑھتی ہے اور جب کوئی تجارتی بنک کسی کو قرض دیتا ہے تو اسی قدر نیا زر بنک میں وجود میں آتا ہے، جیسے

جیسے معیشت میں بڑھتی آبادی اور بڑھتی پیداوار کے لین دین کے لیے نئے زر کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ معیشت میں قرض کے حجم میں اضافہ ہوتا ہے۔ معیشت میں قرض کی بڑھتی مقدار کے ساتھ جوئے بازی سے ملتے جلتے اور اس کے نتیجہ میں عدم استقرار اور تقسیم دولت اور آمدنی میں ناہمواری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہ سب اسلام کے منشاء کے خلاف ہے۔ چنانچہ اسلامی ماہرین کو قرض پر مبنی نظام زر کی جگہ کوئی ایسا متبادل لانے کی ضرورت ہے جو مذکورہ بالا خرابیوں سے پاک ہو۔[11]

موجودہ صورت حال

معاصر اسلامی مالیات میں تورق کو بمشکل دس سال ہوئے مگر اس کا رواج بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس کو برھاوا دیا انہوں نے مجموعی معیشت پر اس کے اثرات کا جائزہ نہیں لیا۔ جب کہ ایسے معاملہ میں ضروری ہے کہ مصالح اور مفاسد کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تورق کو جائز قرار دینے والوں کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ماضی میں علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اب اس کو کس طرح ناجائز کیا جاسکتا ہے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس وقت اسناد اور تمسکات نہیں تھے اور اس وقت تاجروں کا محور حقیقی اشیاء اور خدمات تھیں جبکہ اب اسناد ہیں۔

نقد کی سپلائی کیسے ہو

بعض اوقات افراد اور اداروں کو نقد کی ایسی ضرورت پڑتی تھی جو کہ معروف طریقوں سے پوری نہیں ہو سکتی، ایسی صورت میں قرض حسنہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔ قدیم اسلامی تاریخ میں یہ ضرورت قرض حسنہ یا بیت المال کے ذریعہ پوری ہوتی تھی۔ دور جدید میں قرض حسنہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ تجارتی بنک اپنے کھاتوں میں ایک چھوٹی سی رقم قرض حسنہ کے لیے مخصوص کریں۔ ایران میں اسلامی بینک قرض حسن بچت کھاتے کھولتے ہیں، ان کھاتوں میں رقم جمع کرنے کی ترغیب کے طور پر کھاتہ داروں کو غیر معینہ انعامات اور بونس دیتے ہیں جو نقد یا سامان کی شکل میں ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ان لوگوں کو بعض فیسوں سے استثنی دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بنک لوگوں کو قرض حسنہ پر رقم دیتے ہیں۔[12]

مصادر و مراجع

[1] -صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص190

[2] صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص200

[3] .صدیقی، نجات اللہ، غیر سودی بنک کاری، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص15

[4] .صدیقی، نجات اللہ، غیر سودی بنک کاری، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص21

[5] .صدیقی، نجات اللہ، غیر سودی بنک کاری، ص29

[6] .صدیقی، نجات اللہ، غیر سودی بنک کاری، ص65

[7] .صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص205

[8] .صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص 220

[9] .صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص221

[10] .صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص223

[11] .صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص232

[12] .صدیقی، نجات اللہ، مقاصد شریعت، مکتبہ رحمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص236